بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب ایک عام کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے دل کی آواز ہے جس نے
محبت کو اپنی روح میں محسوس کیا۔ یہ وہ جذبات ہیں جو الفاظ میں سمیٹنا
آسان نہیں، لیکن پھر بھی انہیں قرطاس پر اتارنے کی کوشش کی گئی ہے
تاکہ قاری بھی اس درد، اس محبت اور اس قربانی کو محسوس کر سکے۔

یہ تحریر میرے ذاتی تجربات اور احساسات پر مبنی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ
یہ کہانی ہر اُس دل کو چھو لے گی جو کبھی محبت کی شدت سے گزرا ہے۔

— غلام حیدر

دل کا امانت خانہ

پہلی نظر

زندگی میں کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی پوری کائنات بدل دیتے ہیں۔ میں غلام حیدر، 17 سال کا ایک عام سا لڑکا۔ میرا رنگ تھوڑا سانولا ہے، جسے کچھ لوگ "کالا" کہہ کر مذاق بناتے تھے۔ چہرے پر سختی کا تاثر رہتا، مزاج بھی ذرا سخت تھا۔ زیادہ ہنستا کھیلتا نہیں تھا، اسی لیے اکثر لوگ سمجھتے تھے کہ میں جذبات سے خالی ہوں۔ مگر اندر سے میں بہت حساس تھا۔ دل میں محبت، خواب، اور اپنی فیملی کے لیے ہزاروں دعائیں اور تمنائیں چھپی ہوئی تھیں۔

میری سب سے بڑی خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ میرے دونوں بھائی—طیب الحسن اور عادل وزیر—کامیاب اور خوشحال ہوں۔ اُن کی کامیابی ہی میری کامیابی تھی۔ ساتھ ساتھ ایک خواب میرا اپنا بھی تھا، کہ ایک دن میرا بزنس برانڈ ہو، میرا نام ہو، اور لوگ مجھے پہچانیں۔

لیکن ایک دن سب کچھ بدل گیا۔

یہ دن میری نانی جان کے انتقال کا دن تھا۔ پورا خاندان نانا جان کے گھر جمع تھا۔ فضا سوگوار تھی، دل دکھ سے بوجھل۔ ہر طرف افسردگی کا عالم تھا۔ مگر اُس دکھ بھرے ماحول میں، ایک روشنی کا منظر میری آنکھوں کے سامنے آیا—میری مامی زاد، علیزا۔

میں نے اُسے پہلے بھی دیکھا تھا، لیکن اُس دن وہ جیسے بدل گئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، چہرے پر ایسی معصومیت کہ جیسے کسی نے پھول کو انسانی روپ دے دیا ہو۔ اُس کا انداز، اُس کا چلنا، سب کچھ دل کو چھو لینے والا تھا۔

میری نظریں اُس پر جم گئیں۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایک لمحے میں مجھے لگا کہ میں کسی اور دنیا میں ہوں۔ میرا دل پہلی بار کسی کے لیے یوں بے قرار ہوا تھا۔ اُس دن مجھے محبت کا مطلب سمجھ آیا۔

میں نے اُس دن خود سے کہا:

" "یہی ہے۔ یہی وہ ہے جس کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں۔

لیکن افسوس، وہ مجھے بالکل نظر انداز کرتی تھی۔ جیسے میں اُس کے لیے تھا ہی نہیں۔ اُس کی یہ بے رخی میرے دل میں خنجر کی طرح چبھتی تھی، مگر میں پھر بھی دور سے اُسے دیکھتا رہتا، اُس کی ہر ادا کو دل میں قید کرتا رہتا۔

وہ دن میری زندگی کی شروعات تھی۔ شروعات محبت کی، شروعات بے چینی کی، اور شروعات ایک ایسے سفر کی جس کا انجام میں اُس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

دل کا اعتراف، اپنے گھر میں

نانا جان کے گھر سے واپسی کے بعد میری حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ دن رات بس علیزا ہی ذہن میں رہتی۔ پڑھائی سے دھیان اُٹھ گیا، دوستوں کی محفل بے رنگ لگنے لگی، نیند روٹھ گئی۔ کھانے پینے کا دل نہیں کرتا تھا۔ بس دل چاہتا تھا کہ کوئی مجھے سمجھے، کوئی میرے دل کی کیفیت کو محسوس کرے۔

ایک مہینے تک میں اندر ہی اندر جلتا رہا۔ آخرکار ایک دن ہمت جُٹائی اور اپنے ہی گھر میں سب کے سامنے کہہ دیا:

"مجھے علیزا سے محبت ہے۔"

یہ لفظ میرے لبوں سے نکلے تو دل ہلکا ہو گیا۔ لیکن سامنے بیٹھے لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب زور زور سے ہنسنے لگے۔ اُنہیں میری بات ایک مذاق لگی۔ جیسے میرے جذبات کی کوئی قیمت ہی نہ ہو۔

میں خاموش کھڑا رہا۔ میری سانولی رنگت پر شرمندگی کا پسینہ چمک رہا تھا۔ دل اندر سے ٹوٹ گیا۔ کوئی نہ سمجھ سکا کہ یہ مذاق نہیں، میرا سچ ہے۔

اسی لمحے ابو نے مجھے سنجیدگی سے دیکھا۔ وہ مجھے الگ لے گئے اور کہا:

"بیٹا، میں تمہاری بات سمجھتا ہوں۔ لیکن ابھی تم چھوٹے ہو۔ یہ وقت پڑھائی اور محنت کا ہے۔ پہلے کچھ بنو، اپنی پہچان بناؤ۔ پھر اگر نصیب میں ہوئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھو—ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں پسند نہ کرے۔ اُس وقت تم کیا کرو گے؟"

ابو کی بات میرے دل پر تیر کی طرح لگی۔ مگر میں نے ہمت کر کے کہا:

"ابو، مجھے یقین ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

ابو نے آہ بھری اور کہا:

"یقین رکھنا اچھی بات ہے، لیکن حقیقت اکثر یقین کو توڑ دیتی ہے۔ اگر وہ نہ ملی، تو پھر بیٹا؟"

یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس رات میں جاگتا رہا۔ کمرے کی چھت کو گھورتا رہا اور دل میں یہی سوال دہراتا رہا:
"" اگر ابو سچ کہتے ہیں تو؟ اگر وہ واقعی مجھے نہ چاہتی ہو تو؟

مگر دل مانتا ہی نہیں تھا۔ دل کہتا تھا کہ ایک دن وہ ضرور سمجھے گی کہ میں اُس سے کتنا پیار کرتا ہوں۔

نظرانداز کی دیوار

نانا جان کے گھر سے واپسی اور پھر اپنے گھر میں محبت کے اعتراف کے بعد میری دنیا جیسے ایک نئے امتحان میں داخل ہو گئی تھی۔ دل ہر وقت ایک ہی دعا کرتا تھا کہ علیزا کبھی تو میری طرف دیکھے، کبھی تو وہ مان لے کہ میں بھی اُس کی زندگی کا حصہ ہوں۔ مگر حقیقت اس دعا سے بالکل مختلف تھی۔

کچھ ہفتوں بعد دوبارہ ہم سب نانا جان کے گھر گئے۔ ماحول پہلے سے بہتر تھا، لیکن میرے دل کا حال پہلے سے بُرا تھا۔ جیسے ہی میں نے دروازہ پار کیا، میرا دل ایک ہی چہرے کو ڈھونڈنے لگا۔ صحن، کچن، کمروں میں نگاہیں دوڑتی رہیں۔ اور پھر وہ نظر آئی—علیزا۔

وہ اسکول سے آئی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں، بال ذرا بکھرے ہوئے، اور چہرے پر تھکن کے باوجود عجیب سی معصومیت تھی۔ میری آنکھوں کو وہی منظر چاہیے تھا۔ دل نے کہا: "دیکھو... یہ لمحہ قید کر لو، شاید پھر نہ ملے۔"

لیکن اُس نے مجھے یوں نظر انداز کیا جیسے میں وہاں تھا ہی نہیں۔ نہ سلام، نہ کوئی مسکراہٹ۔ اُس کی نگاہوں میں نہ تعجب تھا نہ خوشی، بس ایک سرد رویہ، جیسے میں ہوا میں تحلیل ہو گیا ہوں۔

میرے لیے وہ لمحہ ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے چاہا کہ کوئی بات کروں، کوئی ہلکی سی گفتگو شروع کروں، لیکن میرے قدم جیسے زمین میں جڑ گئے۔

زبان نے ہلنے سے انکار کر دیا۔ میں بس اُس کے پیچھے پیچھے نظریں دوڑاتا رہا، اور وہ اپنے دھیان میں مگن رہی۔

عادل وزیر، میرا بھائی، یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا:
"یار، تو کیوں اپنا دل جلا رہا ہے؟ اُس نے کبھی تیری طرف دیکھا بھی نہیں۔ تجھے لگتا ہے وہ تجھے پسند کرے گی؟"

میں خاموش رہا۔ میرے پاس جواب نہیں تھا۔ دل کہہ رہا تھا: "ہاں، ایک دن ضرور کرے گی۔" لیکن دماغ چیخ رہا تھا: "نہیں، یہ سب خواب ہے۔"

رات کو جب سب سو گئے، میں جاگ رہا تھا۔ کمرے کی چھت پر نظریں جمائے میں بس یہ سوچتا رہا کہ آخر میں کیوں اتنا کمزور محسوس کر رہا ہوں؟ میری رنگت، میرا سانولا پن، میرا سخت سا مزاج... کیا یہی سب اُس کے دل میں دیوار کھڑی کر رہے ہیں؟ یا شاید وہ مجھے کبھی اس نظر سے دیکھنا ہی نہیں چاہتی؟

کچھ لمحے ایسے آئے کہ دل چاہا سب چھوڑ دوں۔ لیکن پھر ایک اور جذبہ جاگ اُٹھا—ضد۔ ایک ضد کہ یہ محبت محض یک طرفہ کہانی نہیں رہے گی۔ میں اپنے دل کی بات کسی دن اُس کے سامنے ضرور رکھوں گا، چاہے وہ ہاں کہے یا انکار۔

لیکن اُس وقت کے لیے، میں نے بس خاموشی کو اپنا ہتھیار بنا لیا۔ میں دور رہ کر اُس کی ہر ادا کو محسوس کرتا رہا، اور اپنے دل کو سمجھاتا رہا کہ محبت صبر مانگتی ہے، برداشت مانگتی ہے۔

مگر اندر ہی اندر میرا دل ٹوٹ رہا تھا۔ ہر دن ایک نیا زخم دیتا تھا۔ اور یہ زخم، میری محبت کو مزید گہرا کرتے جا رہے تھے۔

تنہائی کے زخم

وقت ایک ایک دن گزر رہا تھا، لیکن میرا دل وہیں کا وہیں رکا ہوا تھا—علیزا کی پہلی نظر پر، اُس کی پہلی جھلک پر۔ مگر اب معاملہ بدل چکا

تھا۔ اُس کی خاموشی اور نظرانداز کرنا میرے دل کے اندر ایسے خنجر کی طرح لگتا تھا جو بار بار گھونپا جا رہا ہو۔

دن گزر جاتے، مگر میرے لیے راتیں سب سے بڑی اذیت بن جاتیں۔ بستر پر لیٹتے ہی اُس کا چہرہ، اُس کی آواز، اُس کی ہنسی اور اُس کی معصوم آنکھیں میرے سامنے آجاتیں۔ میں کروٹیں بدلتا رہتا، نیند میری آنکھوں سے روٹھ جاتی۔ کئی بار میں چھت کو گھورتے گھورتے روتا اور چپکے سے آنسو اپنے تکیے میں چھپا لیتا۔

ایک رات میں کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ باہر آسمان پر چاند روشن تھا۔ میں نے دل میں کہا:

"یا اللہ، اگر میری محبت سچی ہے تو کبھی نہ کبھی اُس کے دل میں بھی میرے لیے جگہ بنا دینا۔ اور اگر یہ محبت میرا امتحان ہے تو مجھے اتنی طاقت دے کہ میں یہ بوجھ اٹھا سکوں۔"

مگر دعائیں جیسے خاموش فضاؤں میں کھو جاتی تھیں۔ کوئی جواب نہ ملتا۔ دل کی کیفیت یہ تھی کہ کھانے کو جی نہ چاہتا، ہنسی کہیں گم ہو گئی تھی، اور آنکھوں میں بس ایک ہی تصویر بسی ہوئی تھی۔

امی نے کئی بار پوچھا:

"بیٹا، تو ٹھیک تو ہے؟ نہ تُو ہنستا ہے، نہ پہلے جیسا ہے۔"

میں ہر بار ایک ہی بہانہ بناتا:

" "امی، بس تھوڑا سا دل نہیں لگتا، پڑھائی کا دباؤ ہے۔

لیکن حقیقت صرف مجھے معلوم تھی۔ میں نے سوچا، شاید وقت کے ساتھ یہ درد کم ہو جائے گا۔ مگر ہر گزرتا لمحہ میرے اندر جلتی آگ کو اور بھڑکا رہا تھا۔

عادل وزیر میرے قریب تھا، لیکن اُس کے دل کے راز مجھے اُس وقت تک معلوم نہیں تھے۔ وہ بھی علیزا کی باتیں کرتا، اُس کی تعریفیں کرتا، اور میرے دل کو یہ سن کر جیسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ میں حیران ہوتا کہ آخر

کیوں وہ اتنی دلچسپی لیتا ہے؟ مگر میں نے یہ سوال اپنے دل کے کونے میں دبا دیا۔

میں اپنی دنیا میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ اسکول کا دل ہی نہیں کرتا، پڑھائی جیسے بوجھ لگتی تھی۔ دوست بھی مجھ سے دور ہونے لگے۔ میرا سخت مزاج اور سنجیدہ چہرہ لوگوں کو پہلے ہی بھاگا دیتا تھا، اب اوپر سے یہ خاموشی اور تنہائی نے مجھے اور بھی اکیلا کر دیا تھا۔

راتوں کو کبھی کبھی میں سوچتا:

"کیا میری رنگت کی وجہ سے وہ مجھے پسند نہیں کرتی؟ کیا میرے سانولے چہرے کے پیچھے وہ دل نہیں دیکھ سکتی جو صرف اُس کے لیے دھڑکتا ہے؟"

یہ سوال میرا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ میں اپنے آپ کو شیشے میں دیکھتا اور کئی بار دل ہی دل میں ٹوٹ جاتا۔ لیکن پھر خود کو یہ کہہ کر سنبھالتا:

"اصل حسن تو دل کا ہوتا ہے، اور میرا دل صرف اُس کا ہے۔"

میری یہ حالت کسی کو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ دنیا مجھے ایک عام لڑکا سمجھتی تھی، لیکن اندر سے میں ایک ٹوٹا ہوا، زخمی سا انسان بن گیا تھا۔

میری راتیں آنسوؤں میں، اور دن بس ایک ہی سوچ میں گزرتے:

"کبھی تو وہ مانے گی... کبھی تو وہ سمجھے گی..."

جدائی کا شہر

میری حالت دن بہ دن بگڑ رہی تھی۔ نہ اسکول میں دل لگتا، نہ گھر میں۔ امی اور ابو بھی پریشان رہتے تھے کہ آخر میرے ساتھ ہو کیا گیا ہے۔ میرے اندر کی آگ کسی کو نظر نہیں آتی تھی، سب بس یہ سمجھتے تھے کہ شاید میں ضدی یا سست ہو گیا ہوں۔

پھر ایک دن ابو نے فیصلہ کیا کہ مجھے لاہور بھیج دیا جائے تاکہ میں کچھ کام کر سکوں۔ اُن کا خیال تھا کہ ماحول بدلے گا، تو میرا دھیان بھی بٹے گا۔

میں نے کچھ کہا نہیں، بس سر جھکا لیا۔ دل چیخ رہا تھا کہ "میں کیسے علیزا کو چھوڑ کر جاؤں؟" لیکن زبان پر الفاظ نہ آ سکے۔

یوں میں لاہور آ گیا۔

یہ شہر نیا تھا، گلیاں اجنبی تھیں، اور چہروں میں مجھے کوئی اپنا نظر نہیں آتا تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا، دن میں سخت گرمی، روزے کا بوجھ، اور اوپر سے کام کی مشقت۔ مگر سب سے بڑی مشقت وہ تھی جو میرے دل پر تھی—علیزا کی یاد۔

دن کے وقت جب میں لوگوں کے بیچ کام کرتا، تو بظاہر مصروف دکھائی دیتا، لیکن دل کے پردے پر بس ایک ہی تصویر چلتی رہتی۔ اُس کی آنکھیں، اُس کا چہرہ، اُس کی ہنسی... ہر پل میرا پیچھا کرتی۔

رات کو جب سحری کے بعد بستر پر لیٹتا تو آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتا، لیکن نیند کہاں آتی؟ کھڑکی سے آتی روشنی میں مجھے اُس کا عکس دکھائی

دیتا۔ میں کبھی سوچتا، کاش وہ بھی مجھے یاد کرتی ہو۔ کبھی دل کہتا، شاید اُس نے مجھے بھلا دیا ہوگا۔

رمضان کے دن اسی طرح گزر گئے۔ میں جسمانی طور پر کمزور ہو رہا تھا لیکن اندر سے مزید زخمی۔ اکثر سحری کے وقت میں آنسو بہاتا اور اللہ سے دعا کرتا:

"یا رب، اگر یہ محبت میرا مقدر نہیں تو پھر یہ جذبات کیوں میرے دل میں ڈالے؟"

عید قریب آئی تو میرے اندر ایک عجیب سی بے چینی بڑھنے لگی۔ دل چاہتا تھا کسی طرح گھر واپس چلا جاؤں، چاہے دنیا کچھ بھی کہے۔ اور آخر کار میں عید کی رات واپس آ ہی گیا۔

گھر پہنچتے ہی دل کو قرار آیا۔ اگلے دن عید تھی۔ امی نے کہا:

"بیٹا، کل نانا کے گھر چلتے ہیں۔ سب رشتہ دار جمع ہوں گے۔"

میری آنکھوں میں جیسے روشنی لوٹ آئی۔ میں نے فوراً ہاں کر دی۔ دل نے کہا: "یہی موقع ہے... شاید پھر علیزا کو دیکھنے کا موقع ملے۔"

عید کے دن نانا کے گھر سب جمع تھے۔ قہقہوں اور مبارکبادوں کے بیچ میرا دل بس ایک ہی کو تلاش کر رہا تھا۔ اور پھر وہ آگئی۔ نئے کپڑوں میں، ہلکی سی مہندی کے رنگ کے ساتھ، اُس کے چہرے پر ایسی چمک تھی کہ لگتا تھا جیسے ساری دنیا اس کی رونق میں ڈوب گئی ہو۔

اُس دن اُس نے تھوڑی باتیں بھی کیں، کچھ ہلکی پھلکی گفتگو۔ میرے لیے وہ الفاظ گویا عید کا سب سے قیمتی تحفہ تھے۔ میں نے ہر لفظ کو اپنے دل میں قید کر لیا۔

میرے لیے وہ عید دوسروں کی خوشیوں سے بڑھ کر تھی۔ وہ لمحے چھوٹے ضرور تھے، مگر میرے دل کے لیے بہت بڑے تھے۔

ٹوٹتے خواب

عید کے بعد کچھ دن سکون سے گزرے، لیکن میرا دل پھر وہی کرنے لگا جو ہمیشہ کرتا تھا—علیزا کو سوچنا، اُس کی یاد میں کھو جانا۔ ہر دن گزرنے کے ساتھ دل کی تڑپ بڑھتی جاتی تھی۔

کچھ ہفتوں بعد دوبارہ امی کے ساتھ نانا جان کے گھر جانے کا موقع ملا۔

میرے اندر ایک انجانی سی خوشی جاگی۔ دل کہہ رہا تھا: "شاید آج اُس سے بات کرنے کا موقع مل جائے... شاید آج وہ مجھے دیکھے اور مسکرا دے۔"

نانا جان کے گھر پہنچتے ہی میرا دل ایک ہی شے کو ڈھونڈنے لگا۔ صحن، کمرے، برآمدہ—میری نگاہیں بس ایک چہرہ تلاش کر رہی تھیں۔ مگر مجھے بتایا گیا کہ علیزا اسکول گئی ہوئی ہے۔

میری بے چینی بڑھ گئی۔ میں گھنٹوں اُس کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ کبھی دروازے کی طرف دیکھتا، کبھی گلی کی طرف۔ دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا

رہی تھی۔ میں نے سوچا، "جب وہ آئے گی، ضرور مجھے دیکھے گی، شاید بات بھی کرے۔"

آخرکار وہ لمحہ آیا۔ دور سے وہ نظر آئی۔ اسکول سے واپس آ رہی تھی، ہاتھوں میں کتابیں، چہرے پر ہلکی تھکن۔ میرا دل جیسے خوشی سے دھڑکنا بھول گیا۔

لیکن... اُس نے میری طرف دیکھا ہی نہیں۔ وہ سیدھی اندر چلی گئی، جیسے میں وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ نہ کوئی سلام، نہ کوئی بات۔

میرے دل پر جیسے کسی نے پہاڑ رکھ دیا۔ اندر کی ساری امیدیں بکھر گئیں۔ میں نے اپنی آنکھوں میں چھپے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی، لیکن دل رو رہا تھا۔ وہ لمحہ میری زندگی کے سب سے بھاری لمحوں میں سے ایک تھا۔

رات کو جب سب سو گئے تو میں جاگتا رہا۔ سوچتا رہا: "کیا میں واقعی اُس کے لیے کچھ نہیں ہوں؟ کیا میری یہ محبت صرف ایک خواب ہے؟"

کھانے پینے کا دل نہ کیا۔ اسکول جانا چھوڑ دیا۔ گھر والے پریشان ہونے لگے کہ آخر ہوا کیا ہے۔ لیکن میں کسی کو کیا بتاتا؟ کون سمجھ سکتا تھا کہ میرے دل کا حال کیسا ہے؟

ابو نے جب یہ دیکھا کہ میں اسکول نہیں جا رہا اور نہ ہی کسی کام میں دل لگا رہا ہوں تو انہوں نے فیصلہ کیا:

"غلام، اب تم لاہور جاؤ گے۔ یہاں بیٹھ کر وقت ضائع مت کرو۔ کچھ سیکھو، کچھ کرو۔"

میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ دل تو چیخ رہا تھا کہ "مجھے مت بھیجو، میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا"، لیکن زبان خاموش رہی۔

یوں میری محبت اور میری خواہش کے بیچ ایک اور دیوار کھڑی ہو گئی۔

دل کا بھید

محبت ایک ایسا راز ہے جو چھپانا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے دل کی کیفیت کسی کو نہ بتاؤں، مگر ماں کی آنکھوں سے کچھ چھپتا نہیں۔ وہ جب کبھی مجھے گہری سوچوں میں دیکھتیں تو پوچھتیں:

" "بیٹا، خیریت ہے؟ آج کل بہت چپ ہو گئے ہو؟

میں مسکرا کر کہہ دیتا:

" "جی امی، سب ٹھیک ہے، بس پڑھائی اور کام کا دباؤ ہے۔

لیکن دل جانتا تھا کہ یہ آدھا سچ ہے۔ اصل بات تو کچھ اور تھی، جو صرف میرا رب جانتا تھا۔

بھائی عادل وزیر اکثر مجھے چھیڑتا تھا۔ وہ ہنستا ہوا کہتا:

"یار غلام، تو تو کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گیا ہے۔ لگتا ہے دل کسی کے پاس "اٹکا ہوا ہے۔

میں ہنس کر بات ٹال دیتا، مگر اندر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ کاش میں بتا سکتا کہ میرا دل کہاں اٹکا ہے، لیکن ہمت نہیں تھی۔

رات کو جب سب سو جاتے، میں چھت پر جا کر آسمان کو دیکھتا۔ ہوا ہلکی ہلکی چلتی، اور میں سوچتا:

"کاش وہ جانتی کہ کوئی اسے کتنی شدت سے چاہتا ہے۔ کاش وہ میرے دل کی آواز سن سکے۔"

یہ کیفیت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب یہ محبت میرا راز نہیں رہی، بلکہ میرا سانس، میرا وجود بن گئی ہے۔

قربانی اور انجام

وقت کے ساتھ ساتھ میرے دل کی کیفیت اور بھی بھاری ہوتی گئی۔ ہر دن اُس کے خیال میں گزرتا، ہر رات اُس کی یاد کے سائے میں کٹتی۔ مگر تقدیر کے کھیل عجیب ہوتے ہیں۔

ایک دن مجھے سچائی معلوم ہوئی... کہ وہ صرف میری نہیں بلکہ میرے اپنے بھائی عادل وزیر کی بھی چاہت ہے۔ یہ جان کر میرا دل جیسے رک سا گیا۔ لمحے بھر کو لگا کہ سب کچھ بکھر گیا ہے۔

میں نے کئی راتیں جاگ کر سوچا، رویا، دعا کی۔ آخر دل نے ایک فیصلہ کر لیا:

"اگر میرا بھائی خوش ہے تو میری خوشی بھی اُسی میں ہے۔ اگر اُس کی زندگی مکمل ہوتی ہے تو یہی میری کامیابی ہے۔"

میں نے اپنے رب کو گواہ بنا کر، اپنے دل کے سب سے قیمتی خواب کو اپنے بھائی کے نام کر دیا۔ یہ فیصلہ آسان نہ تھا، مگر یہی قربانی میرا عشق تھا۔

آج بھی جب میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو اُس کی خوشیوں کے لیے دعا کرتا ہوں، چاہے وہ خوشیاں میرے نصیب میں نہ ہوں۔ میری محبت شاید اُس کی نہیں بن سکی، مگر یہ محبت میری روح کا حصہ ہے، اور ہمیشہ رہے گی۔

یہ کہانی کسی انجام پر نہیں ختم ہوتی، کیونکہ اصل عشق کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ دل کی گہرائیوں میں سانس لیتا رہتا ہے، خاموشی سے، قربانی کے روپ میں۔

محبت کا فیصلہ

محبت وہ نہیں جو صرف حاصل ہو جائے،
محبت تو وہ ہے جو قربانی میں ڈھل جائے۔

میں نے چاہا تھا اسے دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ،
وہ خواب بن گئی، میری راتوں کے ساتھ۔

خدا کی قسم، یہ عشق صدیوں کا تھا،
مگر تقدیر کا لکھا کچھ اور ہی فیصلہ تھا۔

میں نے دیکھا اُسے، دل لرز سا گیا،
میں نے مانگا اُسے، رب بھی خاموش رہا۔

جب جانا کہ میرا بھائی بھی اُسی کا طلبگار ہے،
" میں نے دل پہ پتھر رکھ کے کہا: "یہی میری بہار ہے۔

میں نے اپنی چاہت کو قربان کر دیا،
بھائی کی خوشی میں اپنا ارمان بھر دیا۔

لوگ کہتے ہیں، عشق ناکام ہو گیا،
مگر یہ قربانی ہے، میرا عشق کام ہو گیا۔

محبت ہمیشہ پانے کا نام نہیں، بلکہ قربانی دینے کا دوسرا چہرہ بھی محبت ہی ہے۔ یہ کتاب میرے دل کے اُن جذبات کی عکاسی ہے جو میں نے جئے اور محسوس کیے۔

میں اپنے والدین، اپنے بھائی عادل وزیر، اور ان سب لوگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ کھڑے ہو کر میرا حوصلہ بڑھایا۔ یہ تحریر اُن سب نوجوان دلوں کے نام ہے جو محبت کو صرف ایک خواب نہیں، بلکہ اپنی زندگی کا سچ مانتے ہیں۔

اگر میری یہ کتاب کسی ایک دل کو بھی چھو جائے، تو یہی میری کامیابی ہے۔

غلام حیدر—